دور حاضر میں کرنسیوں کے اُدھار خرید وفروخت کا شرعی جائزہ

Foreign Exchange Trading in the Present Era: A Review from the Islamic Perspective

ڈاکٹر معراج الاسلام ضیاء*

ڈاکٹر محمد طاہر**

Abstract:

Foreign Exchange trading is when you buy and sell foreign currencies to generate profit. In our age of advance technology even the virtual or digital currencies have now emerged. This entire business however is mostly based upon speculation and prediction. Even the most skilled and experienced traders face difficulty in predicting movements in currencies. Further, the value of not well established currencies can fluctuate or its exchange rate value can change any time. In view of occupying central place in the economic systems down the ages, Muslim scholars have also vehemently discussed currency, its significanc and matters relating to it in transactions. The present article reviews trading of foreign currencies from Islamic perspective in a situation when no cash is involved in the transaction. The article concludes that as the currencies in such transactions are different commodities, therefore their trade is legal.

دورِ حاضر نے سب سے زیادہ جن مسائل کو جنم دیاہے اور جن شعبہ ہائے زندگی میں نہایت تیزرفتاراوربنیادی تبدیلی آئی ہے، ان میں سے ایک معاشیات کا شعبہ بھی ہےاور یہ تبدیلیاں معاشی ضروریات کے نتیجے میں وقوع پذیر ہوئی ہیں۔ شریعت اسلامی میں اس بات کی پوری صلاحیت موجود ہے کہ وہ ہر دوراور ہر معاشرہ کی ضرورت پوری کرے، معاملات کے سلسلہ میں شریعت کامزاج یہ ہے کہ اس نے کچھ حدود مقرر کردی ہیں اور اصولی ہدایات دی ہیں جن سے تجاوز کسی طورپر جائز نہیں ،جزوی

* پروفیسر، شعبہ اسلامیات، جامعہ پشاور

** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، عبدالولی خان یونیورسٹی مردان

تفصیلات پر زیادہ تر خاموشی اختیار کی گئی ہے، تاکہ ہر زمانہ کے عرف وحالات کو سامنے رکھ کر شریعت کے اصول وکلیات کی روشنی میں پیش آمدہ مسائل حل کئے جائیں۔

کرنسیوں کا باہم تبادلہ کا شرعی حکم:

آج کل بازار میں مختلف ممالک کی کرنسیوں کے درمیان تبادلہ وتجارت رائج ہے جن کی مختلف قسمیں ہیں، ان میں بعض صورتیں متفقہ طور پر جائز اور بعض دوسری صورتیں بالاتفاق ناجائز ہیں، بعض صورتوں میں علمائے کرام کا اختلاف ہے، چنانچہ اس مسئلہ کی بنیادی طور پر درج ذیل تین صورتیں بنتی ہیں:

۱۔ دوملکوں کی کرنسیوں کے درمیان نقد تبادلہ کمی وزیادتی کے ساتھ بالاتفاق جائز ہے کیوں کہ اس میں علت سود جنس کا ایک ہونا موجود نہیں ہے۔

۲۔ ایک ملک کی کرنسی میں نقد اور اُدھار باہم تبادلہ میں تفاضل بالاتفاق ناجائز ہے، کیونکہ اس میں علت سود جنس اور قدر دونوں موجود ہیں۔

۳۔ دوملکوں کی کرنسیوں کا باہم اُدھار تبادلہ کے جواز میں علماء وفقہاء کی دو نقطہ ہائے نظر ہیں۔ جن پر اس مقالہ میں تفصیلی بحث کی جائے گی۔

پہلی رائے:

بعض ہم عصر علماء کی رائے یہ ہے کہ کرنسیوں میں اُدھار [نسيئة] معاملہ جائز نہیں ہے، ان کے پیش نظر دو باتیں ہیں:

الف: ایک تو سیدنا عبادہ بن الصامتؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: بیچو سونے کو سونے کے بدلے، چاندی کو چاندی کے بدلے، گیہوں کو گیہوں کے بدلے، جَو کو جَو کے بدلے، کھجور کو کھجور کے بدلے، نمک کو نمک کے بدلے، برابر برابر، دست بدست، اور جب یہ اصناف مختلف ہوں تو جیسے چاہو فروخت کرو[۲]۔

اس حدیث میں اثمان کے باہم تبادلہ میں يداً بيد سواءً بسواء (نقد اور برابر سرابر) کی قید لگی ہوئی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کرنسیوں کے تبادلہ میں اُدھار معاملہ جائز نہیں ہے۔

ب: دوسری بات ان کے سامنے یہ ہے کہ نوٹوں کی خرید وفروخت بیع صرف ہے اور بیع صرف میں عاقدین کا ثمن پر قبضہ ضروری ہے[۳] اگر ثمن پر صرف ایک فریق کا قبضہ ہو اور دوسرے فریق کا نہ ہو تو معاملہ صحیح نہ ہوگا۔

دوسری رائے:

دوسری رائے محترم جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اور دیگر علماء کی ہے جس کی رو سے مختلف ممالک کی کرنسیوں کے باہم تبادلہ میں اُدھار کا معاملہ بھی جائز ہے، بشرطیکہ ان میں سے کسی ایک پر مجلس میں قبضہ ہو جائے۔ اگر مبیع اور ثمن دونوں اُدھار ہوں تو یہ ناجائز ہے۔ ان کے پیش نظر علامہ سرخسیؒ کی وہ عبارت ہے جس میں فلوس کی بیع دراہم کے ساتھ جائز قرار دی گئی ہے بشرطیکہ ان دونوں میں سے کسی ایک پر قبضہ ہو جائے[۴]۔

موجودہ حالات کے پیش نظر دلائل کی روشنی میں اور ضرورت وحاجت کو سامنے رکھتے ہوئے دوسری رائے لائق ترجیح اور قابل عمل ہے، جس کے اسباب درج ذیل ہیں:

سبب نمبر ۱: ۔ سب سے پہلے اس بات کا تعین ضروری ہے کہ ثمن عرفی (فلوس اور عصر حاضر میں نوٹ اور سکّے) اور ثمن خلقی (سونا، چاندی) کے احکام میں آیا شرعاً کوئی فرق ہے یا دونوں کے احکام مساوی ہیں؟۔۔۔ فقہاءؒ کی عبارتوں کو دیکھنے کے بعد درج ذیل فرق سمجھ میں آتا ہے۔

ثمن خلقی اور ثمن عرفی کے درمیان فرق:

الف: ثمن خلقی ہمیشہ ہی ثمن رہتا ہے اس کی ثمنیت کبھی ختم نہیں ہوتی ہے، جب کہ ثمن عرفی لوگوں کی اصطلاح اور عرف پر مبنی ہے چنانچہ جب تک لوگوں میں اس کا رواج اور چلن ہو، اس کا حکم ثمن جیسا رہتا ہے، لیکن لوگ جب اس سے معاملہ کرنا ترک کر دیں تو اس کی حیثیت عرض (سامان) کی سی بن جاتی ہے۔ علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:

وأما الفلوس فإن كانت رائجة فكثمن وإلا فكسلع[۵]۔ فلوس جب تک رائج ہوں تو وہ ثمن ہے ورنہ وہ سلع (سامان) کے حکم میں ہوگا۔ اور یہی بات ابن نجیمؒ نے بھی فرمائی ہے: وهو سلعة في الأصل كالفلوس، فإن كانت رائجة فهي ثمن وإلا فسلعة[۶]۔ اور علامہ شامی نے بھی یہی فرمایا ہے[۷]۔

ب: جس وقت لوگوں میں اس کا رواج ہوتا ہے اس وقت بھی اس کی حیثیت مکمل ثمن کی نہیں ہوتی بلکہ وہ ایک درجہ عرض ہی کے حکم میں رہتا ہے۔ اسی وجہ سے اکثر فقہاء نے فلوس میں بیع سلم کو جائز کہا ہے[۸]۔

حنفیہؒ میں امام محمدؒ کے نزدیک فلوس میں بیع سلم جائز نہیں ہے[۹]۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک فلوس "ثمن خلقی" کا درجہ رکھتے ہیں، لیکن ظاہر روایت میں شیخین کی طرح امام محمدؒ بھی فلوس میں بیع سلم کے جواز کے قائل ہیں[۱۰]۔ اور اسی کو ابن نجیمؒ نے بھی نقل کیا ہے[۱۱]۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں: ولا بأس بالسلف في الفلوس إلى أجل؛ لأن ذلك ليس مما فيه الربا[۱۲]۔ اگر فلوس کا حکم مکمل طور پر ثمن خلقی کا ہوتا تو کبھی بھی اس میں بیع سلم جائز نہ ہوتی، کیوں کہ اثمان میں بیع سلم جائز نہیں ہے[۱۳]۔ جب ثمن خلقی اور ثمن عرفی کی ذات اور اس پر مرتب ہونے والے بعض احکام میں اتنا واضح اور بدیہی فرق ہے تو لازمی طور پر دوسرے احکام میں بھی فرق ہوگا اور ثمن خلقی کے تمام احکام ثمن اصطلاحی پر عائد کرنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہوگا۔

سبب نمبر ۲:　جب بیع میں بدلین میں سے ایک ثمن خلقی ہو اور دوسرا ثمن عرفی تو مجلس میں کسی ایک پر قبضہ کرلینا صحت معاملہ کے لیے کافی ہوگا[۱۴]۔ دونوں پر قبضہ کرنا ضروری نہیں ہے، جیسا کہ علامہ ابن ہمامؒ نے فلوس کی بیع دراہم سے ''بيع عين بدين'' مانتے ہوئے جائز قرار دیا ہے، بشرطیکہ مجلس میں کسی ایک پر قبضہ ہو جائے[۱۵]۔

علامہ شامیؒ نے اس مسئلہ پر قدرے تفصیل سے گفتگو کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کیا بدلین میں سے ایک ثمن خلقی اور دوسرا ثمن عرفی ہو تو عاقدین کا اس پر قبضہ کرنا ضروری ہے؟ اگر کوئی ایک فریق اس پر قبضہ نہ کرے تو معاملہ فاسد ہوگا یا عاقدین میں سے ایک کا بھی قبضہ معاملہ کے صحیح ہونے کے لیے کافی ہے؟ اس سلسلے میں انہوں نے تین روایتیں پیش کی ہیں۔

پہلی روایت کی رو سے عاقدین کا قبضہ کرنا ضروری ہے کیوں کہ اگر ایک قبضہ کرلے اور دوسرا نہ کرے تو یہ موزونی چیز کے بدلہ موزونی چیز میں بیع سلم کا معاملہ ہوگا جو کہ جائز نہیں ہے[۱۶]۔ یہ روایت جامع الصغیر کی ہے[۱۷]۔

دوسری روایت یہ ہے کہ ایک فریق کا قبضہ کرلینا کافی ہے یہ روایت بزّاز کی ہے[۱۸]۔

تیسری روایت یہ ہے کہ دونوں میں سے کسی کا بھی قبضہ کرنا ضروری نہیں ہے[۱۹]۔

ان تینوں روایتوں میں سے دوسری روایت سب سے زیادہ اوفق اور تعامل الناس کے موافق ہے اور صحیح بھی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فلوس اور عصر حاضر میں کرنسی کا اگر جائزہ لیا جائے تو ایک حیثیت سے وہ عرض ہیں اور دوسری حیثیت سے اس میں ثمنیت کا عنصر بھی موجود ہے، اس کی ثمنیت کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں بیع سلم جائز نہ ہو اور عرض ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ اگر ایک فریق بھی قبضہ کرلے تو معاملہ درست ہو جائے[۲۰]۔ اس طریقہ سے یہ بیع، بیع سلم کے بجائے مطلق بیع ہوگی اور مطلق بیع میں عاقدین کے باہمی رضامندی سے ثمن ایک متعین وقت تک کے لئے مؤخر کیا جاسکتا ہے[۲۱]۔

قول ثانی کے صحیح ہونے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جب علامہ حانوتیؒ[۲۲] سے پوچھا گیا کہ کیا سونے کی بیع فلوس سے اُدھار جائز ہے ؟تو انہوں نے جواب دیا کہ جب بدلین میں سے کسی ایک پر قبضہ ہو جائے تو جائز ہے[۲۳]۔

علامہ سرخسیؒ کا بھی رجحان اسی جانب ہے کہ ایک فریق کا قبضہ کرلینا کافی ہے، وہ کہتے ہیں کہ فلوس رائجہ ثمن کی حیثیت رکھتے ہیں اور خرید وفروخت کے وقت مالک کے پاس اس کا موجود رہنا کوئی ضروری نہیں ،اگر موجود نہ رہے تو معاملہ فاسد نہ ہوگا[۲۴]۔ سرخسیؒ کے منشا کو دوسرے الفاظ میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ ثمن جب زر خرید ہوتا ہے تو اس وقت اس کا موجود رہنا ضروری نہیں ،اسی طرح جب ثمن مبیع کی حیثیت سے ہو تو اس کا معاملہ کے وقت موجود نہ رہنا معاملہ کو فاسد نہیں کرے گا۔

مذکورہ تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ اگر بدلین میں سے ایک ثمن خلقی ہو اور دوسرا ثمن عرفی تو نسیئة (اُدھار تبادلہ) جائز ہوگا اور ایک فریق کا قبضہ کرلینا کافی ہوگا۔ اس سے یہ حکم بھی معلوم ہو گیا کہ جب دونوں ہی ثمن عرفی ہوں تو بدرجہ اولیٰ نسیئہ جائز ہوگا۔ بلکہ دونوں میں نسیئہ کے جواز کی صراحت بھی فقہاء کی عبارت میں ملتی ہے۔ چنانچہ علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں: باع فلوسا بمثلها أو بدراهم أو بدنانير فإن نقد أحدهما جاز.[۲۵]

مذکورہ صورت میں دونوں ہی ثمن عرفی ہیں ،اس لیے اگر ایک فریق کا بھی قبضہ ہو جائے تو پھر ادھار تبادلہ کے جواز میں کوئی مضائقہ نہیں ہو نا چاہئے۔

شوافع بھی فلوس میں اُدھار خرید وفروخت کے جواز کے قائل ہیں[۲۶]۔ اور حنابلہ کے ہاں بھی ایک روایت جواز کی ملتی ہے[۲۷]۔

سبب نمبر۳: یہاں پر ایک اہم اور قابل غور بات یہ ہے کہ کیا ہم حالات اور لوگوں کی ضرورتوں کو نظر انداز کر سکتے ہیں ؟ خصوصا اس ترقی یافتہ دور میں جب کہ نقل وحمل کے وسائل کی فراوانی ہے ،تعلقات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہے ،اسفار بہ کثرت پیش آتے ہیں ،ایک ملک کی کرنسی کو دوسرے ملک کی کرنسی سے تبادلہ کی ضرورت بہت زیادہ پڑتی ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ بغیر اُدھار کے تمام معاملات دست بدست کئے جائیں جب کہ شریعت نے "الضرورات مناسبة لإباحة المحظورات جلبا لمصالحها[۲۸]" اور "إذا ضاق الأمر اتسع[۲۹]" جیسے اصول کے پیش نظر شدید مجبوری کی حالت میں ناجائز اور ممنوع چیزوں کو بھی بقدر ضرورت جائز قرار دیا ہے تو کیا مذکورہ صورت میں شدید مجبوری کے پیش نظر اُدھار معاملہ کرنا جائز نہ ہوگا جس کی گنجائش فقہاء کے کلام میں بھی وضاحت کے ساتھ ملتی ہے۔

فریق اول کے دلائل کا جائزہ:

جہاں تک یہ بات کہ نوٹوں کی خرید وفروخت بیع صرف ہے اور بیع صرف میں عاقدین کا قبضہ ضروری ہے، تو یہ استدلال کسی طرح بھی درست نہیں ہے، اس لئے کہ عقد صرف میں معاملہ کی صحت کے لئے "ثمن خلقی" کا ہونا ضروری ہے خواہ وہ جس شکل میں بھی ہو، ٹکسال میں ڈھلا ہوا ہو یا اس کا زیور یا برتن بنادیا گیا ہو۔

علامہ ابن ہمامؒ نے عقد صرف کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: هو البيع إذا كان كل واحد من عوضيه من جنس الأثمان[۳۰]. بدائع الصنائع کی عبارت اس سے بھی واضح ہے: "فالصرف في متعارف الشرع اسم لبيع الأثمان المطلقة بعضها ببعض وهو بيع الذهب بالذهب والفضة بالفضة وأحد الجنسين بالآخر"[۳۱]۔

مذکورہ تعریف سے معلوم ہوگیا کہ ثمن عرفی میں عقد صرف کا معاملہ ہو ہی نہیں سکتا بلکہ علامہ سرخسی نے صاف بیان کیا ہے کہ دراہم کے بدلے فلوس کی بیع "بیع صرف" نہیں ہے[۳۲]۔

مبسوط ہی میں ایک جزئیہ منقول ہے جس سے مسئلہ کی حقیقت بالکل واضح اور بے غبار ہو جاتی ہے کہ دراہم کے بدلے فلوس کی بیع "بیع صرف" نہیں اور کسی ایک پر بھی قبضہ کرلینا صحت معاملہ کے لئے کافی ہوگا چنانچہ کسی ایک شخص نے کسی دوسرے کو ایک درہم دیا اور معاملہ اس طرح طے کیا کہ نصف درہم کا اتنے فلوس (پیسے) دے دو اور نصف درہم کا ایک چھوٹا سا درہم جس کا وزن نصف درہم کے برابر ہو، تو یہ معاملہ درست ہوگا۔ اگر دونوں فلوس اور درہم پر قبضہ کرنے سے پہلے ایک دوسرے سے جدا ہوگئے تو درہم صغیر میں عقد باطل ہو جائے گا کیونکہ یہ عقد صرف ہے اور فلوس میں عقد صحیح ہوگا اس لیے کہ یہ مطلق بیع ہے[۳۳]۔

بہر حال اس کو عقد صرف میں داخل کرکے نسيئة کے عدم جواز کا استدلال صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح عبادۃ بن الصامتؓ کی مشہور روایت سے بھی عدم جواز کا استدلال نہیں کر سکتے ہیں، اس لیے کہ "يداً بيد" کی قید ثمن خلقی کے ساتھ ہے نہ کہ ثمن عرفی کے ساتھ جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا۔

نیز فقہاء کرامؒ کی عبارتوں میں ایک حد تک یہ صراحت موجود ہے کہ "عقد صرف" میں ثمن خلقی پر قبضہ اس لیے ضروری ہے کیونکہ وہ قبضہ ہی سے متعین ہوتے ہیں: "وحاصله أن الصرف وهو ما وقع على جنس الأثمان ذهبا وفضة بجنسه أو بخلافه لا يحصل فيه التعيين إلا بالقبض فإن الأثمان

لا تتعين مملوكة إلا به ولذا كان لكل من العاقدين تبديلها أما غير الصرف فإنه يتعين بمجرد التعيين قبل القبض"[۳۴]

خلاصہ بحث:

مذکورہ بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ دوملکوں کی کرنسیاں الگ الگ جنس کی حیثیت رکھتی ہیں، اس لیے اختلاف جنس کی وجہ سے دوملکوں کی کرنسیوں کا تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ اُدھار طور پر جائز ہے، کرنسیاں ثمن عُرفی ضرور ہیں لیکن ثمن خلقی کے تمام احکام ان پر عائد نہیں ہو سکتے، دونوں کے احکام کے درمیان کچھ نہ کچھ بنیادی فرق ضروری ہے تاکہ دونوں کی خلقی اور عرفی حیثیتوں کے درمیان خط امتیاز کھینچا جاسکے۔

حواشی وحوالہ جات:

[۱]. سیدنا عُبادۃ بن الصامت بن قیس الانصاری الخزرجی رضی اللہ عنہ اکابر اور جلیل القدر صحابہ کرام میں سے ہیں، سن ۳۸ قبل الھجرۃ بمطابق ۵۸۶ عیسوی کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، ان بارہ حضرات میں سے ہیں جنہوں نے سن ۱۲ نبوی کو منیٰ کے قریب عقبہ کے مقام پر آپ ﷺ سے اسلام پر بیعت کی۔ بدر سے لے کر فتح مکہ سمیت تمام غزوات میں شریک رہے، ان سے ۱۸۱ روایات منقول ہیں، رملہ فلسطین میں سن ۳۴ ہجری مطابق ۶۵۶ عیسوی کو وفات پائے۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ۔الجزری، عزالدین، ابن االاثیر، أُسدالغابة، ج۳ ص: ۱۵۸، دار الكتب العلمية، ط اول۱۹۹۹م

[۲]. القشيری، مسلم بن الحجاج، صحيح مسلم، رقم:۱۵۸۷۔دار إحياءالتراث، بروت، بدون التاريخ۔

[۳]. المرغينانی، برهان الدين، علی بن أبی بكر، الهداية، ج۳، ص: ۸۱، دارإحياءالتراث العربي، بروت۔

[۴]. السرخسی، محمد بن أحمد، المبسوط ج۱۴، ص۲۵، دارالمعرفة، بيروت، ۱۹۹۳م

[۵]. الحصكفی، علاءالدين، الدرالمختار، ج۵، ص: ۲۷۲، دارالفكر، بيروت، ۱۹۹۲م

[۶]. المصری، ابن نُجيم، زين الدين بن ابراهيم، البحر الرائق، ج۶، ص: ۲۲۱، دارالكتاب الاسلامی، بيروت

[۷]. الشامي، ابن عابدين، محمد بن عمر، رد المختار مع الدر، ج۵، ص۲۷۲، دارالفكر، ۱۹۹۲م

[۸]. المبسوط، ج۱۲ ص۱۳۶ دارالكتب العلمية، بيروت ۱۹۹۴م

[۹]. المبسوط، ج۱۲، ص: ۱۳۶

[10]. أبو المعالی، برهان الدین، محمودبن أحمد،المحیط البرهاني في الفقه النعمانی،ج۲، ص: ۳۲۳، دارالکتب العلمیة، بیروت ،۲۰۰۴م

[11]. البحرالرائق،ج۶، ص:۱۷۰

[12]. الشافعی، محمدبن إدریس،أبوعبدالله، الأُم،ج۳، ص: ۳۳، دارالمعرفة ،بیروت،۱۹۹۰م

[13]. الکاسانی، علاءالدین، أبوبکر بن مسعود، البدائع الصنائع، ج۵، ص: ۲۰۸، دارالکتب العلمیة، بیروت،۱۹۸۲م

[14]. الزیلعي، عثمان بن علي، تبیین الحقائق، کتاب الصرف،ج۴، ص: ۱۳۵، المطبعة الکبری، القاهرة،طبع اول۱۳۱۳ھ

[15]. ابن همام،کمال الدین محمد بن عبد الواحد،فتح القدیر، ج۷، ص: ۱۸۷، دارالفکر، بیروت

[16]رد المحتار، ج۴،ص: ۱۸۴

[17]. الشیبانی،محمد بن الحسن،الجامع الصغیر،باب السلم،ج۱ص: ۳۳۵، عالم الکتب، بیروت،۱۴۰۶ھ

[18]. تبیین الحقائق،کتاب الصرف،ج۴، ص: ۱۳۵، ردالمحتار،ج۵، ص: ۱۸۰

[19]. ردالمحتار،ج۵، ص: ۱۸۰

[20]. تبیین الحقائق،ج۴، ص: ۱۳۵

[21]. الدرالمختار مع حاشیة ابن عابدین،ج۵، ص: ۱۸۰

[22]. حانوتی ،محمد بن عمر، آپ قاہرہ میں ۹۲۸ھ کو پیدا ہوئے ، حنفی فقیہ اور مفتی تھے،۱۰۱۰ھ کو وفات پائی۔الأعلام،ج۶، ص: ۳۱۷

[23]. ردالمحتار،ج۴، ص۱۸۴

[24]. المبسوط،ج۱۴، ص: ۲۴

[25]. الدرالمختار،ج۵، ص: ۱۷۹

[26]. الأُم ،کتاب الصرف،ج۳،ص۳۳

[27]. الجزیری، عبدالرحمن بن محمد، الفقه علی المذاهب الأربعة، ج۲ص:۲۷۲،دارالکتب العلمیة، بیروت،۲۰۰۳م

[28]. السُلمی، أبومحمد عزالدین عبدالعزیز بن عبدالسلام، قواعد الاحکام فی مصالح الأنام،ج۲ص: ۵، مکتبة الکلیات، قاهره،۱۹۹۱م

[29].السُبکی،تاج الدین،الأشباہ والنظائر، ج۱ص: ۴۹، دارالکتب العلمیة،۱۹۹۱م

[30]. فتح القدیر،ج۶، ص: ۲۴۷

[31]. بدائع الصنائع،ج۵، ص:۲۱۵

[32]. المبسوط،ج۱۴، ص: ۲۴

[33]. مصدر سابق

[34]. ردالمحتار، ج۵، ص: ۱۷۸